بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

لیبر فیڈریشن دیر کے صدر محترمی رحمت اللہ صاحب نے بڑی صاف دلی سے ایڈیٹر ترجمان القرآن کو ایک خط لکھا جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ نے جائزۂ حالات کے سلسلے میں اشارات کی جو اقساط لکھنی شروع کی ہیں انہیں پڑھ کر مجھ پر پاکستان کے شاندار مستقبل کے بارے میں مایوسی چھا گئی ہے۔ پھر انہوں نے بعض سیاسی اور عوامی جھلکے لکھ کر پوچھا ہے کہ ایسے پہلوؤں کے ہوتے ہوئے آپ نے اس طرح کیوں لکھا؟

محترمی رحمت اللہ صاحب! جب کوئی فوج کسی طرف اقدام کرتی ہے تو اس کے کچھ لوگ ہر طرف گھوم پھر کر جائزہ لیتے ہیں۔ پھر رپورٹ پیش کرتے ہیں کہ یہاں مشرق کی جانب بے آب وگیاہ صحرا ہے، مغرب کی جانب سمندر کا کھارا پانی ساحل سے ٹکرا رہا ہے، شمال کی طرف دشمن فوج کے مورچے لگے ہیں، دور پہاڑی پر بھی ایک اور مخالف قوت کا اڈا ہے، جنوب میں جنگل ہے جس میں ڈاکوؤں کی زمین دوز پناہ گاہیں بھی ہیں اور درندے اور اژدھا بھی بکثرت ہیں۔ اسی جنگل کے سامنے تھوڑی سی خالی جگہ پر ہم پڑاؤ ڈال سکتے ہیں۔ سرفروشی کرنے والے لوگ مایوس اور دست وپا شکستہ نہیں ہوتے۔

اب اس رپورٹ کے سامنے آنے پر ایک صورت تو یہ ہے کہ کچھ حضرات کے ہارٹ فیل ہو جائیں، کچھ حضرات کے دماغ کام کرنے سے جواب دے جائیں، کچھ حضرات بحرِ مایوسی میں غوطہ زن ہو جائیں۔ لیکن جو لوگ دنیا میں معرکہ آرائیاں کرنے نکلتے ہیں وہ واقعی صورتِ حالات

سے دہلا نہیں کرتے اور نہ پریشان ہو کر جی چھوڑ بیٹھتے ہیں جیسے کہ قرآن نے کہا کہ: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ نہ سہم جاؤ، نہ ملول ہو جاؤ، تم ہی (بالآخر) برتر رہو گے، بشرطیکہ تم (ثابت کر دکھاؤ کہ) مومن ہو۔ توجناب والا! جن لوگوں کو چیلنجوں کا سامنا کر کے کسی اُصول کا جھنڈا بلند کرنا ہوتا ہے، ان کے دلوں کے دروازے ہمیشہ کے لیے نااُمیدی پر بند ہو جاتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب جائزہ لو تو ایک جج کی طرح حالات کو دیکھو، ایک ریسرچ سکالر کی طرح ان کو مرتب کرو اور پھر ایک ایسے جرنیل کی طرح اپنی فتح یا اُمید کا راستہ نکالو جس کا نغمۂ جہاد یہ ہے کہ:

"صحرا است کہ دریاست تہ بال و پر ماست"

جو اُمید صرف سلوگنوں کی جذباتیت سے زندگی لیتی ہے وہ اور چیز ہے۔ اصل اُمید وہ ہے جو حقائق کے شعور پر مبنی ہو۔ حقائق کے شعور سے گریز خطرے کی علامت ہے۔

خدا ہے اور خدا کا دین ہے تو پھر نااُمیدی کی بلا کہاں سے آگئی؟ ایمان کی تو ساری کھیتی ہی اُمید کی کھیتی ہے۔ مگر من پرچاؤ اور خود فریب اُمیدیں یہاں نہیں ہوتیں، رنگین خوابوں کے غبارے یہاں نہیں ملتے، یہاں تو سرمایۂ اُمید اللہ کی رضا ہے، کامیابی زندگی کے امتحان میں کامیابی ہے اور ثمرات پھلوں اور پھولوں اور موتیوں اور حسن و جمال کی ایک فصل ہے جو ایک دن آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن جاتی ہے۔ مگر شرط یہ نہیں کہ کتنے دن میں؟ اس نسل کے لیے یا اگلی نسل کے لیے، ایک ملک میں یا دوسرے ملک میں، ایک قوم کے مقدر میں یا دوسری قوم کے مقدر میں، دُنیا ہی دُنیا میں یا آخرت میں۔ بعض اوقات دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ملتے ہیں۔ آخرت میں رنگ و نکہت کی ایک شاداب پھلواڑی نگاہوں میں چکاچوند پیدا کر دیتی ہے۔

آج کل کے دور میں بعض حضرات کو جب یہ تصور دلایا جائے کہ ایک نسل کے شروع کردہ کارِ دین کا ظاہری نتیجہ دوسری یا تیسری نسل کو مل سکتا ہے اور کام کرنے والے کو اس کا حاصل آخرت

میں نصیب ہوگا۔ تو بسا اوقات آدمی ظاہر تو نہیں کرتا مگر اندر سے اس کا دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ ہائیں! مرنے کے بعد؟ — اتنی دور؟ (ذٰلِکَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ) یہیں سے وہ بیماری استعجال شروع ہوتی ہے جو انسان پر یا جماعتوں پر دباؤ ڈالتی ہے کہ وہ دین اور اس کے پروگرام اور اس کے طریق کار میں کچھ ایسے شارٹ کٹ نکالیں کہ جلد جلد کام بن جائے۔ کرے اصولوں پر چل کر بات نہیں بنتی تو ان کے پنچ ذرا ڈھیلے کر دیئے جائیں، ماحول کے مروجہ باطل تقاضوں کا دباؤ اگر سہارا نہیں جا سکتا تو پھر تحریک کی ریڑھ کی ہڈی میں ذرا اور لچک پیدا کر لی جائے، بعض غیر اسلامی رجحانات کو روکا نہیں جا سکتا تو ذرا اپنے کٹر پن کو کم کر لیا جائے دوسروں سے نظریاتی اختلاف قائم رکھ کر قوت نہیں بنائی جا سکتی تو مخالف نقطہ ہائے نظر والوں کے ساتھ محبت و دوستی کا تعلق بڑھا کر متحدہ مہم چلائی جائے۔ سیاسی کامیابی میں اگر دین کے اخلاقی تقاضے حائل ہوتے ہیں تو اخلاقی تقاضوں پر زور دینے والے دین داروں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنا کام کریں اور دین کی سیاسی خدمت کرنے والوں کو خدمت کی گاڑی چلانے دیں، اگرچہ خدمتِ دین کی اس گاڑی کے غلط رخ پر چلنے سے خود دین مجروح ہوتا ہو۔

استعجال ہمیشہ شارٹ کٹ تلاش کرتا ہے۔ آپ شارٹ کٹ سوچنے سے بچیے اور "فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ" کو اصول بنایئے۔ جیسے میدانِ احد کے ناکے پر حضورؐ نے صحابہ کو مامور کر کے فرمایا تھا کہ تم اگر دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں تب بھی یہ ناکہ نہ چھوڑنا — اور انہوں نے ناکہ چھوڑ دیا۔ آپ بھی "فَاسْتَقِمْ" کی پوسٹ پر مامور ہیں۔ یہاں ذبح بھی ہو جائیں تو آپ کو پوسٹ نہیں چھوڑنی چاہیے۔ اور اگر دس پندرہ سال تک آپ ایک قدم بھی پوسٹ کو آگے لے جانے کے قابل نہ ہوں، بلکہ الٹا کمانڈر آپ کو میل بھر پیچھے لے آئے تو بھی آپ کو اپنی پوسٹ پر اسی طرح اٹنشن رہنا ہے۔

یہ ہے مولانا مودودیؒ کی قائم کردہ جماعتِ اسلامی کا تصور اور طریق کار! یہ پسند نہ ہو تو کوئی اور کام دیکھیے!

رہا کامیابی اور ناکامی اور امید اور ناامیدی کا سلسلہ تو اسے آپ قرآن، خصوصاً انبیاء کی سیرتوں سے سمجھ سکتے ہیں۔

آخر حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے پیروؤں کے لیے ظاہری احوال میں کونسا سرمایہ امید تھا؟ جو پاک لوگ مشرکین مکہ کے ہاتھوں عذاب بھگت رہے تھے، ان کے سامنے کون سی ظاہری فتوحات کی گارنٹی تھی اور وہ بھی مقررہ وقت کی پابندی کے ساتھ۔ شہدائے بدر کو کیا معلوم تھا کہ ان کی شہادت کے لہو سے کس طرح ایک نئی دنیا تعمیر ہو جائے گی۔ اور تو چھوڑیئے، دنیا کے یہودی دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک مار پٹائی قید و بند، در بدری، اور ذلت و رسوائی سے دو چار رہے، مگر انہیں کس نے خراب ترین غلامانہ احوال میں بھی اس امید پہ قائم رکھا اور وہ اپنے مقصود کو لے کر آگے بڑھتے رہے۔ روس اور باقی دنیا کے کمیونسٹوں کے حال پڑھ کر دیکھیں کہ آخر وہ کس امید کے نشے میں قید تنہائی میں گھل گھل کر ختم ہوئے اور پھانسیوں پر چڑھ گئے۔ خود برصغیر میں ان کی تفصیلی داستان پڑھیے۔ آج بھی دنیا میں جہاں جہاں وہ اذیتیں بھگت رہے ہیں، عبرت ناک سماں ہے، مگر ان میں کسی کی امید ختم نہیں ہوئی۔

امید کا سرچشمہ خارجی حالات نہیں ہوتے، امید کا اصل سرچشمہ آدمی کا اپنا دل اور ایمان ہوتا ہے۔ اس ایمان کے سہارے ہم ۷۵ افراد پوری بے سروسامانی کے ساتھ دنیا کا نقشہ بدلنے اٹھے تھے۔ اور واقعی یہ یقین اس وقت بھی رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ ماسکو سے واشنگٹن تک کی تہذیبی زمین کا تختہ بدل دیں گے۔ مگر ہمارے یقین کے لیے کوئی "اجل مسمّٰی" ہمارے سامنے نہیں ہے وہ صرف خدا کے سامنے ہے۔ اسی ایمان کے بل پہ ہم نے مولانا مودودیؒ کو پھانسی کا حکم سنائے جانے کی اذیت ناک عدالتی کارروائی دیکھی۔ ہم نے اخوان کے رقت آمیز حالات دیکھے، ترکیہ میں لادینی جبریت کے نیچے اسلامی قوت کے خون چکاں زخموں کو دیکھا — انڈونیشیا کی مسلم اکثریت کو ہم نے پنج شیلا کی دھنائی مشین میں دھنے جاتے دیکھ رہے ہیں۔ ان سارے واقعات و احوال سے درد کی نئی نئی لہریں ضرور ابھرتی رہیں، مگر اللہ کا شکر ہے کہ تحریک اور دین کے بارے میں ناامیدی کہیں سے نہیں ابھرتی۔

رفقائے من! اس کی ایک اہم وجہ ہے۔ اگرچہ اس قسم کے ذاتی احساسات و تجربات کو کبھی بیان نہیں کرنا چاہیے، مگر ضرورۃً میں اشارے کرتا ہوں۔ مولاناؒ کی پھانسی کا حکم رہا ہو یا ناکام ہوا، ہو یا ایوب خاں کا مارشل لا، یا ۱۹۶۳ء کا حادثہ یا ۱۹۷۰ء کے انتخابات یا ملک کا دولخت ہونا، زلزلہ افگن واقعات تھے۔ مجھے سونے سے پہلے دو تین گھنٹے سخت اضطراب رہتا، سوچ بچار کی مشین کے پہیئے تیزی سے گھومتے اور آخر یہ مشین بھی جواب دے جاتی۔ تب دل مجھ سے گفتگو کرتا اور کہتا کہ یہ دنیا خدا کی سلطنت ہے، تم خدا کے ایک عاجز بندے ہو (کسی چیونٹی کی طرح)، تمہارا یہ سوچنا کہ فلاں چیز ہوئی تو کیوں ہوئی اور فلاں نہیں ہوئی تو کیوں نہیں ہوئی، گویا اس میں تم خیر و شر کا فیصلہ کرنے والے بنتے ہو، حالانکہ تقدیر ساز اور فیصلۂ خیر و شر کرنے والا وہ ہے جس نے دنیا کو، پاکستان کو، بھارت کو، امریکہ کو، مشرقی پاکستان اور بنگلہ دیش کو، پی پی پی کو، صدر ایوب کو پیدا کیا ہے اور جو ان پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ میں جواب دیتا ہوں کہ بالکل برحق! پھر دل کہتا ہے کہ فرض کرو، کائنات کا مالک فیصلہ کرتا ہے کہ پورے ایشیا کو تہس نہس کر دینا ہے، تو تم کیا کرو گے۔ عجز کے ساتھ قبول کروں گا۔ اگر وہ فیصلہ کرے کہ تم نہیں رہو گے تو؟ بالکل برحق! اگر وہ فیصلہ کرے کہ تم اور تم جیسے داعیانِ حق یہاں سو سال تک کام کریں اور کوئی بڑا نتیجہ انہیں ظاہری پیرائے میں حاصل نہ ہوگا، بلکہ ان کے بعد ایک قوت آئے گی، وہ دو چار سال ہی میں پچھلا سارا ورثہ سمیٹ لے گی تو اس بارے میں تمہاری پسند و ناپسند کیا ہے؟ میں ایک بندۂ ناچیز کی حیثیت سے اس فیصلے کو قبول کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری آنکھیں روئیں کہ ان پر قابو نہیں، مگر میرا دل خدا کے ساتھ ہوگا۔ اور میرا ایمان خدا کے نور سے جگمگ کرے گا۔ آخر میں دل پوچھتا ہے کہ اب بتاؤ، خارجی واقعات کے متعلق مناسب و ممکن تدابیر کرنے کے بعد اگر معاملات تمہاری مرضی کے مطابق نہیں چلتے تو بھی تم اپنا ایمان، اپنے اصول، اپنی قدریں اور اپنی امید برقرار رکھو گے؟ میں بڑی رقت آمیز شرمندگی کے ساتھ جواب دیتا ہوں کہ ان شاء اللہ، میں ایسا ہی ثابت ہوں گا۔ تب دل نے کہا، یہی ہے مومن ہونے کی حقیقت، اور یہ حقیقت اگر تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو مل جائے تو تمہارے ہی لیے ہے ــــ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ! بس اس داخلی مکالمے کے بعد اضطراب کے طوفان ہمیشہ تھم گئے اور مجھ کو نیند آ گئی۔ حالانکہ میرے سینکڑوں

ساتھی سو نہیں سکے، بلکہ روتے رہے ہوں گے۔

تو نیشنل لیبر فیڈریشن کے صدر جناب رحمت اللہ صاحب! یہ ہے دین کی بات اور ایمان کی بات اور امید کی بات!

خدا سے دعا کیجیے کہ آپ کو بھی، مجھے بھی اور دین کے ہر محب اور خادم کو بھی یہ نور مل سکے۔

آپ اگر اس کو تصوف کہیں تو محض غیر محتاط طریق سے استعمال شدہ کسی اصطلاح کو چسپاں کرنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اور اگر یہی تصوف ہے جو میں نے بیان کیا ہے تو یہ تو تمام انبیاء کی بارگاہوں میں ملے گا اور تمام قرآن میں دکھائی دے گا۔ مگر یہ رسمی اور نمائشی تصوف نہیں ہے۔ یہ دل کا ایک چراغ ہے۔ نہ دل کسی کو دکھایا جا سکتا ہے، نہ دل کا چراغ، ہر کسی کا اپنا اپنا دل، اپنا اپنا چراغ، اپنا اپنا نور!!!

اب اس لمبے جملۂ معترضہ کو چھوڑ کر چلیں اصل بات کی طرف۔ میں نے ایک خصوصی سلسلہ اشارات اشاعت مارچ سے شروع کیا۔ بیچ میں سلسلہ ٹوٹا، پھر بحال ہوا۔ اور ابھی کچھ حصہ باقی ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر ایک خیال تو یہ آیا کہ اگر کسی تحریر سے دوستوں پر مایوسی کے جراثیم کا حملہ ہو رہا ہو تو اسے جاری نہ رکھا جائے۔ ادھر سو برس کے ایک متنازعہ نقاد مجھ سے ملے اور انہوں نے مذکورہ اشارات کی نہ صرف تعریف کی بلکہ اس سلسلے کی بحث کو جاری رکھنے کے لیے کہا۔ میں نے بلا تامل یہ ذکر کیا کہ ایک اعتراض یہ ملا ہے کہ اسے پڑھ کر ارادہ بدل رہا ہوں۔ انہوں نے اس سے مجھے روکا اور کہا کہ ذرا سی ضروری وضاحت کر کے سلسلۂ کلام جاری رکھیے۔ میں نے "ذرا سی ضروری وضاحت" کے بجائے پورا ایک فلسفہ آپ کی تسکین کے لیے لکھ ڈالا۔

اب میری کوشش کا مقصد سنیے۔ میں کسی قافلے کے پیش آہنگ یا کسی فوج کے پائلاٹ دستے کی طرح آگے جا کر سارے جغرافیۂ احوال کو دیکھ کر اس کی رپورٹ اہلِ ایمان کے سامنے

رکھنا چاہتا ہوں۔ بعد ازاں میں یہ بھی گذارش کرنے کا عزم رکھتا تھا کہ قارئین پر واضح کردوں کہ ایمان اور کامیابی کا راستہ کدھر سے کدھر کو نکل سکتا ہے۔

اس سلسلے میں میں نے واضح کیا کہ کس طرح دولت اور جاگیروں والے طبقے نے ہمیں جکڑ رکھا ہے، کس طرح اربابِ اقتدار ہمارے کندھوں پر سوار ہیں، کس طرح ہمیں بیرونی قرضوں کی بھاری زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے، کس طرح فضا لادینیت کے لیے ہموار کی جارہی ہے۔ کس طرح مخالفِ اسلام خواتین و ثقافت کو ہم پر لادا جارہا ہے۔ کس طرح سپرپاورز اور خود ہمارے اندر کے سازشی اور تخریبی عناصر اور ادارے ہمیں ذہنی، لسانی، علمی، اخلاقی اور سماجی اور اقتصادی غلامی کا شکار بنا رہے ہیں۔

ان چیزوں کی طرف دیکھنے سے اگر ہمیں ڈر آتا ہے تو ہمیں آنکھیں بند رکھنی چاہئیں اور کانوں میں صرف تسکین بخش عوامی جملوں کو داخلے کی اجازت دینی چاہیے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ حق کے سپاہیوں کو خوب غور سے ارد گرد کے حقائق کو دیکھنا چاہیے، ان کا تجزیہ کرنا چاہیے اور پھر ان کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر اپنی راہِ مراد، جادۂ دعوت یا طریقِ انتخاب یا نظامِ جہاد کی اسکیمیں مرتب کرنی چاہئیں۔

آپ نے دیکھا کہ شریعت بل مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود زیریں ایوان میں پاس نہ ہو سکا۔ اس کے کچھ اسباب ہیں۔ آخر مسلمانانِ کرام نامسلمانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہیں؟ ان چیزوں کا صحیح جائزہ لیے بغیر چند محبِ دین حمبران نے جمہوریت کے شروع ہوتے ہی شریعت بل ایوان میں رکھ دیا۔ اُدھر بے نیازی حد سے اس طرح گذری کہ رائے شماری اور ڈویژن تک کی نوبت نہ آئی۔ اور وہ اگر آجاتی تو ہمارے سر دل پر اور بھی سنگِ سخت گرتا۔

شریعت بل کے بارے میں آپ کو مایوسی اس لیے ہوئی کہ آپ نے حالات کا صحیح تجزیہ نہیں کیا تھا۔

بالکل اسی طرح حالات کی پوری تصویر سامنے رکھے بغیر جب اقدامی خاکے بن جاتے ہیں تو فوجوں یا قافلوں کو دیواروں سے سر پھوڑنے پڑتے ہیں۔

پس یقین رکھیے کہ میں نقشۂ احوال پیش کرنے کے بعد جادۂ اُمید کی پوری پوری نشاندہی

کروں گا اور ٹھیک ان واضح خطوط پر کروں گا جو خدا اور رسول ؐ نے بہ شکلِ دین عطا کیے ہیں اس دین کی پابندی میں اگر ساری عمر ظاہری ناکامی میں گذر جائے تو بھی میرا نقطۂ امید رضائے الٰہی ہو گی اور اگر دولت اور اقتدار اور فنونِ قاہرہ اور علومِ عالیہ سے مجھے اور تحریکِ حق کو مالامال کر دیا جائے تو بھی میرا مرکزِ امید رضائے الٰہی رہے گی۔ رضائے الٰہی دنیا میں، اور رضائے الٰہی آخرت میں۔

اب ذرا توجہ منعطف کیجیے اس خاص تازہ سیاسی صورتِ حال کی طرف جو اسمبلیوں کی برطرفی سے پیش آئی ہے۔ ایسے پیچیدہ احوال کا جائزہ لیتے ہوئے میں خوفِ خدا کے تحت بے جا جانب داریوں اور بے جا مخالفتوں اور نفرتوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ خالی سیاست، یا دین کے مقابلے میں اپنی حدود سے بڑھی ہوئی سیاست تو کبھی حالات کی جج نہیں بن سکتی۔ اس ملک اور دنیا میں صرف وہی قلیل عنصر مختلف قوتوں کی نزاعات اور تصادموں میں عدل کی ترازو ہاتھ میں لے کر حق و صداقت کی متوازن بات کہہ سکتا ہے، جو طریقِ انبیاء و صحابہ کے نورانی جادہ پر دوڑ کر نہیں تو کم سے کم گھسٹ گھسٹ کر بڑھنے کی کوشش کر رہا ہو، اور جو اپنا سینہ و سر اور دل و جگر دے کر بھی اس پر بضد ہو کہ اُسے اسی جادہ فلاح و سعادت پر چلنا ہے۔

سو خدا کے بہت سے بندگانِ عاجز کے ساتھ ان کا یہ کمزور ترین ساتھی بھی اپنی رائے یہ رکھتا ہے کہ خدا کا ایک قانون ہے جو اپنا عمل کر رہا ہے، یعنی تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ دوسری رائے میری یہ ہے کہ گو خدا نے اپنے تمام بندوں میں جسمانی، روحانی، دماغی اور اخلاقی لحاظ سے کئی کئی فرق رکھے ہیں مگر ہمارے ملک کی سیاست کا سارا کارخانہ جن عناصر کے بل پر چل رہا ہے ـــــ وہ حکومتی گروہ ہو یا اپوزیشن گروہ، وہ قصرِ وزارت ہو یا ایوانِ صدارت، وہ سینیٹ ہو یا عوامی اسمبلی، انتخاب میں آجانے والی پارٹیاں ہوں یا باہر رہ جانے والی پارٹیاں، مذہبی تفرقوں پر مبنی جتھے ہوں یا جاہلی عصبیتوں پر قائم سیاسی دھڑے ـــــ یہ پورے کا پورا آوا، آج ہی سے نہیں، غلام محمد کے دور سے

بگڑا ہوا ہے اور دَور بہ دَور اپنے بگاڑ میں ترقی کرتا گیا ہے۔ جناب صدر ضیاء کا دس سالہ دَور دیکھتے ہیں تو کانوں کو ان کے خوبصورت الفاظ اور اصطلاحات (جن میں کبھی تضاد بھی جلوہ گر ہوتا ہے) سنائی دیتے ہیں۔ اور آنکھوں سے معاشرے کا بلیک بورڈ دکھائی دیتا ہے، جس کی سیاہی ہر سال بڑھتی چلی گئی ہے، صرف چند سفید چھینٹیں متفرق اجزائے اسلامیت کی اس پر پڑی تھیں وہ بھی دھندلا کر سیاہی کے سمندر میں گھل گئیں۔ باقی رہے جوڑ توڑ کے معاملات، سو مغربی سیاست کا یہ لازمہ ہیں۔ گلہ کیا — اب ذرا دوسری طرف بھی نظر ڈالیں کیا کارنامہ ہے ہمارے اساتذۂ جمہوریت کا؟ کون سے گل اُنہوں نے اس اُجڑے چمن میں کھلائے ہیں؟ پاکستان ہی رُوحِ پاکستانیت کو اُبھارنے کے لیے اُنہوں نے قوم پر کیا احسانات فرمائے ہیں؟ یہی ناکہ اسلام کا نام لے لے کر اُنہوں نے ذرائع ابلاغ، تعلیم، معیشت، دفتری نظام، ثقافتی سرگرمیوں اور ماڈرن خواتین کی معرکہ آرائیوں کے ذریعے ماحول کو سیکولرازم کے لیے سازگار کیا اور ایوان میں شریعت بل کے بارے میں توہین آمیز رویّہ اختیار کیا۔ یہ دین سے بھاگنے والی سیاست کے علمبردار جو روپیہ اُچھالتے پھرتے تھے اور عہدوں کے ذریعے ضمیر اور دماغ اور برادریاں خرید رہے تھے، کیا ضیاء الحق کے ہٹ جانے کے بعد یہ فرشتے بن کر سامنے آتے۔ میرا خیال ہے کہ ملک میں لادینیت، خیانت اور تخریب کاری کا طوفان اور بھی بڑھتا۔ ان کے دم سے تو ایک ایسی خوفناک جمہوری آمریت تشکیل پا رہی تھی کہ جو ہتھیات کی طرح نگاہوں سے مخفی رہ کر ہمارے اُصولوں اور قدروں کو تباہ اور ہم کو روز بروز بے بس کرتی۔

حکومت کی اکثریتی پارٹی کے وابستگان نے بعض اوقات اخلاق یا اسلام کی بات کرنے والوں کو تابڑ توڑ فقرہ بازیوں سے سخت پریشان کیا ہے۔

کیا مصنوعی قسم کی مسلم لیگ اور اس میں مختلف نظریات اور اخلاق کے ساتھ جمع ہونے والے لوگ قوم کو نوازشات سے بہرہ مند کر سکتے تھے۔ میرا تو خیال ہے کہ شاید ان کے ہاتھوں سکندر، ایوب اور یحییٰ بھٹو کے دور سے زیادہ سنگین حالات رُونما ہوتے۔

سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس پورے معاشرے میں قابلِ احترام، بااُصول، دیانت دار،

صاحب صلاحیت، محب پاکستان اور فدائی اسلام قسم کے سیاست دان نظر نہیں آتے، جو اکھاڑے میں کوئی مقام رکھتے ہوں۔ اگر کوئی شخص ایسے پانچ قائدین عملی سیاست کا روار اور سیاست بازوں میں سے نسنال کے دکھا دے تو میں یقین کرنے کو تیار ہوں کہ یہ ملک نہ صرف خطرات سے بچ نکلے گا بلکہ ترقی کرے گا۔

میں جماعتی فیصلوں کا ساتھ دیتے ہوئے ذاتی رجحان یہ رکھتا ہوں کہ ہمیں ان عناصر سے اُمیدیں لگانے کے بجائے ان سب کے پیچھا اصول دینی سیاست کی دعوت لے کے نکلنا چاہیے۔ ان لوگوں کو دوست اور اتحادی بنانے کی مساعی کے بجائے ان تک خدا و محمدؐ کی پاکیزہ سیاست کا پیغام پہنچانا چاہیے۔
دوسرے کسی ایک فریق کے ساتھ ہو کر کسی دوسرے فریق کو گرانے کی کوشش کوئی مثبت تعمیری سیاست نہیں ہے۔ پاکستان بننے سے لے کر ملک کے تمام اہل سیاست اسی منفی سیاست کی ڈگر پہ چلے آرہے ہیں کہ فلاں کو ختم کرنا ہے، بس پھر بیڑہ پار ہے۔ مگر ایک فلاں کے ہٹنے کے بعد دوسرا فلاں آجاتا ہے۔
اصل میں اس خاص طرز کی جمہوری و انتخابی سیاست کے بارے میں یہودیوں نے پروٹوکول میں اپنا ایک نقشہ پیش کیا ہے۔ اور سپر پاورز نے بھی ہمیں ایسے چکروں میں ڈال رکھا ہے کہ کبھی مارشل لا ہے، کبھی جمہوریت، کبھی ایوان برطرف، غرضیکہ قانونِ ضرورت نت نئے رنگ بدلتا ہے اور ہمیں کسی اُصولی و اخلاقی طرز پر چلنے ہی نہیں دیتا۔ مغربی جمہوریت کے ہنڈولے کے چکروں سے اگر اپنے آپ کو اُصول و اخلاق کے بل بوتے پر بچایا جا سکے تو سلامتی کے لیے راستہ باقی رہے گا۔ ورنہ ہنڈولے کے دو چار چکر اگر راست فکر لوگوں کے سروں کو گھمانے میں کامیاب ہو گئے تو مثبت دینی و اخلاقی سیاست اور اس کے اعلیٰ درخشاں مقاصد کبھی اپنا مقام نہ بنا سکیں گے۔
میرے نزدیک جب تک موجودہ سیاسی ڈھانچہ قائم تھا تب بھی اسلامی، اخلاقی اور معاشی لحاظ سے بحران تھا، ٹوٹ گیا ہے تو اب بھی بہ سہ گونہ بحران ہے، اگر صدر ضیاء بھی چلے جائیں تو بھی یہ بحران برقرار رہے گا۔ اس ملک کو بحرانی حالت سے صرف وہ اسلامی عناصر نکال سکتے ہیں، جو اپنے اُصولوں اور معیارات میں اپنے نقطہ نظر اور اخلاقی رویوں میں کسی

وقتی اُفت وغیرہ کے تحت فرق نہ آنے دیں، نیز جو حکومتی اور اپوزیشنی نقطۂ نظر سے بالاتر ہوں۔ عام سیاست جس کا چلن بازار میں ہے، اسلامی دعوتی سیاست اس سے بہت بالاتر اور پاکیزہ ہے۔

میری تمنا ہمیشہ یہی رہی ہے کہ کاش ایسے سیاسی اشخاص اور گروہ ہوتے جن کے ساتھ کم از کم ہمارا ایک بنیادی کلمۂ سواء ہوتا ہے جسے نصب العین بنایا جا سکتا ہے اور کاش کہ الحاد سے بچے ہوئے اور نظری عملی لادینیت کی آلودگی سے پاک ایسے لوگ مل جاتے جن کے سامنے بیٹھنے میں مجھے اور ہر داعیٔ اسلام اور خادمِ اسلام کو بہتری کی اُمیدیں ہو سکتیں۔ کاش کہ ایسے گروہ یہاں ہوتے جو مسٹنڈوں کی ہاؤ ہو اور غنڈوں کی مار دھاڑ اور قانون شکنیوں سے محفوظ ہوتے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ چلنے میں شاید خادمانِ دین کی عزت کا پرچم نہ جھکتا، مگر کیا کریں معاشرے کا صحرا سرکنڈوں اور جھڑبیریوں کے سوا کچھ اُگاتا ہی نہیں!

خدا کو استقامت رکھنے والے لوگ درکار ہیں۔ ڈٹ کے رہنے والے لوگ۔ قدم جما کے کھڑے ہونے والے لوگ۔ غیر متبدل پیمانے رکھنے والے لوگ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ

لیجیے ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہو گیا ــــ نفاذ شریعت آرڈی ننس ۱۹۸۸ء کا نفاذ۔

مگر کاش کہ صدر ضیاء کو اپنی بظاہر مضبوط، مگر نہایت ہی نازک پوزیشن کا اندازہ ہوتا اور وہ کوئی ایسی جاندار رغبت چیز لا سکتے کہ دینی اور عوامی حلقوں میں اچھے جذبات اُبھر آتے۔ ورنہ جمہوریت کے علمبرداروں کی اکثریت تو لادینیت پسند، مخالفِ نفاذِ شریعت اور آزاد کھلے معاشرے کی خواہاں ہے۔ ان کی اکثر بنی صفیں تو پہلے ہی سے مخالف ہیں۔ دوسری جانب جو محبِ دین عناصر تھے اس بے جان آرڈی ننس نے انھی کو بنا کر ملحدین منحرفین، مغرب پرستوں اور سوشلسٹوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ ایسے بودے موقف پر کھڑے ہو کر ملک وملت کا کوئی کیا بھلا کر سکتا ہے، کیوں نہ لوگ اپنے اپنے اُصولی پروگراموں کے محاذوں پر حسبِ سابق مستقیم رہ کر معرکہ آرا رہیں۔ یہ بے جان آرڈی ننس تو اور بھی زیادہ اکساہٹ مخالفینِ دین کے جذبوں میں پیدا کرے گا اور

انتخابات کے نتیجے میں ایسی جمہوریت آئے گی جو اسلام کا راستہ روکنے میں سیکولر اور مخالفِ دین حکومتوں سے بھی زیادہ سخت ہوگی۔ یہ آرڈی ننس باطل کے بارود خانے کے لیے ایک چنگاری کی حیثیت رکھتا ہے۔

ذیل میں آرڈی ننس کے متعلق مرکزِ جماعتِ اسلامی کے اظہارِ تاثر کی اوّلین قرارداد کو پیش کرنے سے پہلے میں اپنا تاثر یہ دیتا ہوں کہ "پرشکوہ الفاظ کے انبار مگر معنیٰ ندارد"۔ اور "دفعات کے اُمید افزا عنوانات مگر مضمون کالعدم"۔

زیادہ مؤثر قول قاضی حسین احمد امیر جماعتِ اسلامی کا ہے کہ یہ "نفاذِ شریعت آرڈی ننس نہیں، انسدادِ شریعت آرڈی ننس ہے"۔

کاش کہ خدا کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اُٹھا کر صدر صاحب اس آرڈی ننس کو واپس لے کر نیا آرڈی ننس نافذ کر دیں جو ۱۳ رجون والے (شائع شدہ جنگ) مسودے سے تو کم تر نہ ہو۔

اب جماعت کی قرارداد! ہے

صدرِ مملکت نے کل نفاذ شریعت آرڈی ننس جاری کر دیا ہے۔ جس طرح صدر صاحب نے سابق حکومت اور قومی اسمبلی کے خلاف فردِ جرم میں نفاذِ شریعت سے گریز اور پہلو تہی پر زور دیا تھا اور اپنے ریفرنڈم کے وعدہ اور اس کے نتیجہ میں عاید ہونے والی ذمہ داری کا حوالہ دیا تھا اس سے یہ اُمید اور توقع قائم کی گئی تھی کہ اس مرتبہ وہ ضرور صاف سیدھے طریقہ سے نفاذِ شریعت کا انتظام کر کے خدا اور خلق کے سامنے سرخرو ہوں گے۔ لیکن اس آرڈی ننس کے سامنے آنے کے بعد ان ساری توقعات پر پانی پھر گیا ہے۔

یہ آرڈی ننس اس مسودہ قانون سے بھی بہت پیچھے چلا گیا ہے جو صدر صاحب کی اپنی قائم کردہ کمیٹی نے جو اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین اور دیگر ماہرینِ قانون پر مشتمل تھی، چند روز پہلے پیش کیا تھا اور پریس میں شائع کیا تھا۔ یہ آرڈی ننس اپنی اصل اور رُوح کے اعتبار سے اس مسودہ پر کوئی نمایاں فوقیت نہیں رکھتا جو سابق حکمران بار بار متحدہ شریعت محاذ کو پیش کرتے رہے ہیں۔ اور جسے شریعت محاذ نے ہمیشہ بالاتفاق مسترد کیا ہے۔

اس آرڈی ننس میں نہ شریعت کو بالاتر قانون تسلیم کیا گیا ہے نہ کسی بڑی سے بڑی عدالت کو

شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنے کا پابند بنانا تو درکنار اس کا اختیار ہی دیا گیا ہے، بلکہ قرارداد مقاصد کے دستور کے متن میں شامل ہونے کے بعد بعض امور میں قرآن و سنت کی بنیاد پر فیصلہ کا جو راستہ کھلا تھا اور جس کی بنیاد پر سندھ ہائی کورٹ اور لاہور ہائی کورٹ نے کچھ فیصلے دیئے تھے، اس آرڈیننس کے بعد وہ بھی بند ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آرڈی ننس کے اجراء سے عملی طور پر موجودہ صورتِ حال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور قوم کو نفاذِ شریعت کی منزل نہیں مل سکے گی۔ لہٰذا اگر صدر صاحب یہ سمجھیں کہ انہوں نے یہ آرڈی ننس نافذ کر کے قوم سے اپنا عہد پورا کر دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اب ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں ہیں یا نفاذ شریعت میں سنجیدہ نہیں ہیں۔

(جاری کردہ: شعبۂ نشر و اشاعت، جماعت اسلامی پاکستان)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)